تزکیہ وتربیت

وفاشعاری کے دو نادر نمونے

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ

۱- حجاج بن یوسف

طائف کے مکتب خانے میں بچوں کو پڑھاتا تھا' لیکن معلم الصبیان کے اس پیشہ سے اتنی آمدنی جو ضروریات کے لیے کافی ہوتی' نہیں ہوتی تھی۔ پھر کیا کیا جائے۔ طائف سے اٹھا' دمشق پہنچا۔ وقت کے حکمراں کا جو وزیرِ باتدبیر تھا' اس کے باڈی گارڈ کے سپاہیوں میں بھرتی ہو گیا۔ وزیر کا نام روح بن زنباع تھا۔ مروانی حکومت کے پہلے حکمران عبدالملک بن مروان نے روح کو اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ بھرتی ہونے والا سپاہی' یوسف ثقفی باشندۂ طائف کا لڑکا تھا۔ نام اس کا حجاج تھا۔ یہ وہی حجاج ہے' جس کی یاد کو مسلمان اپنے حافظہ سے مٹانا چاہتے ہیں' لیکن بجائے مٹنے کے وہ تازہ ہی ہوتی رہتی ہے۔ امتِ اسلامی کے جگر کا وہ گھاؤ ہے جو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اسی طرح ہرا ہے' نہ اس کی ٹیس ہی کم ہوتی ہے اور نہ دکھ ہی اس کا بھلایا جا سکتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے:

> دنیا کی ہر قوم اپنے اپنے فرعونوں کو لے کر کھڑی ہو' اور ان سارے فرعونوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی طرف سے حجاج اگر پیش کر دیا جائے تو مسلمانوں کا یہ فرعون سب پر بھاری ہو جائے گا۔ (ابنِ عساکر' ج ۴' ص ۸۰)

مگر باوجود بے دینی اور حد سے گزری ہوئی بے دینی کے' یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے مورخین نے جو کچھ لکھا ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بے آئینی کا الزام حجاج پر مشکل ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ غلط ہو یا صحیح' لیکن ایک ضابطہ اور آئین کو طے کر لینے کے بعد کرتا تھا جو کچھ بھی وہ کرتا تھا۔ اس کا شاید یہ فطری رجحان تھا کہ' وقت کی حکومت خواہ کسی طرح قائم ہو گئی ہو' رعایا کو چاہیے کہ بے چون و چرا اس کے احکام کی پابندی کرے' ظاہراً و باطناً" اس کی

وفادار رہے۔ وہ اپنے نزدیک سمجھتا تھا کہ قرآنی آیت فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا ' ڈرو اللہ سے' جہاں تک تمہارے بس میں ہو' سنو اور فرمان بردار بنے رہو (التغابن ۶۴ : ۱۶) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے کے لیے استطاعت کی شرط لگا دی گئی ہے --- یعنی جہاں تک آدمی کے بس میں ہو خدا سے ڈرے --- لیکن حکومت کے احکام کے متعلق صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ سننے والے ان کو سنیں' اور بے چون و چرا اس کے فرمانبردار بنے رہیں۔ اسی لیے کہتا تھا کہ میں جو حکومت کا نمائندہ ہوں' اگر حکم دوں کہ لوگ مسجد کے فلاں دروازے سے نکلیں' اس حکم کے بعد بھی کسی دوسرے دروازے سے جو نکلے گا میرے لیے اس کا خون بھی حلال ہو جائے گا اور اس کا مال بھی۔ یہی وہ کہتا بھی تھا' اور اس کے مطابق عمل بھی کرتا تھا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے ایک صاحب' عنبسہ بن سعید نامی نے اپنی بعض چشم دید شہادتیں بیان کی تھیں۔ حجاج نے حکم دے رکھا تھا کہ رات میں کسی کو کوفہ کی گلیوں اور سڑکوں پر فلاں وقت سے صبح تک نکلنے کی اجازت نہیں۔ گویا کرفیو آرڈر نافذ کر دیا گیا تھا۔ عنبسہ کہتے ہیں کہ صرف ایک رات جب میں حجاج کے پاس بیٹھا تھا' لوگ گرفتار ہو ہو کر آتے تھے' بے چارے وجہ بھی بتاتے' لیکن کسی کی شنوائی نہ ہوتی' اور یہ کہتے ہوئے کہ --- ہم تم کو منع کرتے ہیں اور تم ہماری نافرمانی کرتے ہو --- حجاج حکم دے دیتا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ بے چارے قتل کر دیے جاتے تھے۔ حجاج نے اپنے عہدِ حکومت میں واسط نامی شہر آباد کیا تھا۔ اس میں میونسپلٹی کا قانون نافذ تھا' بر سرِ راہ پیشاب کرنے والوں کی سزا حبسِ دوام تھی۔

حکومت کے ساتھ وفاداری کے اسی جذبہ کی شدت نے ترقی کی راہ بھی اس کے لیے ہموار کی تھی۔ جس زمانے میں عبدالملک کے وزیر کے باڈی گارڈ کا حجاج سپاہی تھا' وزیر نے یہ کہتے ہوئے عبدالملک کے سامنے پیش کیا تھا کہ نظم و ضبط کے قائم کرنے میں میرا خیال ہے کہ اس شخص سے آپ کو مدد ملے گی۔ عبدالملک سفر میں تھا۔ حجاج کو حکم دیا کہ جس وقت میں سوار ہو جاؤں تم اس کی نگرانی کرو کہ کوئی میرے سوار ہونے کے بعد بیٹھا نہ رہے۔ حکم سن کر حجاج چلا گیا۔ کوچ کا نقارہ بجا۔ حجاج بھی سب کو سوار ہونے کا حکم دے رہا تھا اور لوگ سوار ہوتے چلے جاتے تھے۔ لیکن جب وزیر کے ان ہی آدمیوں کے سامنے آیا جن میں کا ایک سپاہی وہ بھی تھا' تو لوگوں نے اس سے کہا کہ آؤ' ابھی کچھ کھا پی لیں تب روانہ ہوں گے۔ یہ سننا تھا کہ حجاج نے ایک ایک کی پیٹھ کوڑے سے پھاڑ دی' اور وزیر کے خیمہ میں آگ لگا دی۔ یہ خبر وزیر نے خود روتے ہوئے عبدالملک تک پہنچائی۔ حجاج بلایا گیا تو "یہ کیا کیا" کے جواب میں جس وقت وہ کہہ

رہا تھا' "امیرالمومنین! میں نے تو کچھ نہیں کیا' میرا کوڑا میرا کوڑا نہیں آپ کا کوڑا تھا' میرا ہاتھ میرا ہاتھ نہیں آپ کا ہاتھ تھا" (الیافعی)' عبدالملک کی باچھیں کھل گئیں' جس آدمی کی تلاش تھی گویا وہی اس کو مل گیا۔ ترقیوں کی راہ حجاج پر کھل گئی۔

پہلے حجاز کا گورنر ہوا' اور عبدالملک کی وفاداری میں عبداللہ بن زبیرؓ صحابی کو صحنِ کعبہ میں شہید کیا۔ کعبہ تک میں آگ لگنے کی پرواہ اس نے عبدالملک کے حکم کے مقابلہ میں نہ کی۔ تب عراق اور خراسان کی گورنری سے سرفراز ہوا۔ گیارہ سال تک عبدالملک کی حکومت میں' اور عبدالملک کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین ولید کے زمانہ میں نو سال تک' مروانی حکومت کے سب سے بڑے علاقہ میں حکومت کرتا رہا۔

اسی زمانہ میں' دو سال کی مدت میں' واسط کا شہر کوفہ اور بصرہ کے درمیان اس نے تعمیر کیا۔ یہ اس زمانہ میں دنیا کے حسین ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا' اور خضراءِ واسط یعنی واسط کے سبزہ زار کے نام سے مشہور تھا' جسے دیکھ کر' لکھا ہے' بے ساختہ زبانوں پر قرآنی آیت --- ہر ٹیلے پر نشانی کی عمارتیں' جن کا کوئی فائدہ نہیں' کھڑی کرتے ہو' اور ایسے مکانات تعمیر کرتے ہو' کہ شاید تم ہمیشہ دنیا میں رہو گے --- آ جاتی تھی۔

معلم الصبیان کے مکتب خانے سے نکل کر عراق و ایران' خراسان جیسے ممالک کی حکومت تک پہنچنے کے بعد بھی' حکومت کے ساتھ وفاداری کا جذبہ حجاج کا ترقی پذیر ہی تھا۔ اس نے بڑے بڑوں کی بھی اس راہ میں پرواہ نہ کی۔ جنگ کے یا لڑائی کے مقتولوں کے سوا' اس راہ میں' بیان کیا گیا ہے کہ' ایک لاکھ بیس ہزار تعداد حجاج کے ان مقتولوں کی ہے جو اس کے سامنے باندھ کر قتل کیے گئے۔ اور جیل خانے سے حجاج کے مرنے کے بعد "۸۱ ہزار قیدیوں کو رہائی بخشی گئی' جن میں ۳۳ ہزار تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنھوں نے نہ چوری کی تھی اور نہ کوئی ایسا جرم کیا تھا جس کی سزا سولی وغیرہ ہو"۔ (ابنِ عساکر' ج ۴' ص ۸۰)

حکومت کے حکم سے بال برابر تجاوز اس کے نزدیک قتل و حبس کا مستحق لوگوں کو بنا دیتا تھا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے بظاہر اس سے انکار کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ قانون بنا لینے کے بعد جو فعل بھی کیا جائے آئینی بن جاتا ہے' یہی اس کا خیال بھی تھا۔ پوچھنے والے نے ایک دفعہ اس سے پوچھا بھی کہ اپنے ضمیر میں تم اپنی خونریزیوں اور سفاکیوں کے متعلق کسی قسم کی خلش بھی محسوس کرتے ہو۔ جواب میں اس نے کہا تھا: "لبنان اور سینیر (شام کے دو پہاڑوں) کے برابر سونا خیرات کرنے سے زیادہ میں ثواب کا کام اپنے ان اعمال وافعال

کو سمجھ رہا ہوں جو حکومت کی فرمانبرداری اور وفاشعاری کے سلسلہ میں مجھ سے اب تک بن پڑے ہیں۔" (ابنِ عساکر' ج ۴' ص ۶۸)

اس راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی صحابیت کے شرف کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ کی گردن میں' جیسا کہ مشہور ہے' اس نے مہر لگائی تھی' جو علامت تھی اس بات کی کہ ان کی وفاداری مشکوک ہے۔ اس نے بڑے جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ کو بے دردی اور قساوتِ قلبی سے قتل کیا۔ عام طور سے اس دور کی داستان کو لوگ بیان کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ کچھ ایسے خواب دیکھنے لگا کہ جو اس کی موت کی خبر دے رہے تھے۔ مگر بایں ہمہ' اس نے اس کے بعد بھی جو وصیت نامہ لکھوایا تھا' وہ یہ تھا: "حجاج' یوسف کا بیٹا' (مرنے کے وقت) یہ وصیت نامہ لکھوا رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے' اس کی بھی میں گواہی دیتا ہوں' اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔"

اس رسمی تمہیدی فقرے کے بعد "وصیت نامہ" کے الفاظ یہ تھے:

انہ لا یعرف الا طاعتہ الولید بن عبد الملک علیھا یحیا وعلیھا یموت و علیھا یبعث۔

(ابنِ عساکر' ج ۴' ص ۶۸)

اور حجاج' ولید بن عبدالملک (وقت کے حکمراں) کی اطاعت وفرمانبرداری کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ اسی پر وہ زندہ رہا' اسی پر مرے گا' اور اسی پر قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

اور اس سے بھی دلچسپ لطیفہ "ضمیری مغالطہ" کا یہ ہے۔ حجاج ایک دفعہ بیمار ہوا' اور اتنا سخت بیمار کہ کوفہ میں اس کے مرنے کی خبر مشہور ہو گئی۔ قدرتاً لوگوں نے اطمینان کی سانس لی۔ مگر بجائے مرنے کے حجاج چنگا ہو گیا۔ جمعہ کے دن منبر پر آ کر اس نے تقریر کی' جس کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ "تم نے مشہور کر دیا کہ حجاج مر گیا۔ خدا کی قسم اپنے متعلق ہر طرح کی بہتری اور بھلائی کی امید مجھے اپنی موت ہی سے ہے۔" (ابنِ عساکر' ج ۴' ص ۸۲)

اسی لیے پسند بھی وہ ان ہی لوگوں کو کرتا تھا جو حکومت کے مفاد کی حفاظت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیتے تھے' اور اس راہ میں سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ اصفہان کا گورنر بنا کر حجاج نے ایک بدوی عرب کو اس لیے بھیجا کہ خراج کا بقایا سالہا سال سے اصفہان والوں پر چڑھا چلا آتا تھا' وصول نہیں ہوتا تھا۔ المسعودی نے لکھا ہے کہ اصفہان پہنچ کر نمبرداران اور

مقدموں کو گورنر نے جمع کیا۔ آٹھ مہینوں کی مہلت ان لوگوں نے طلب کی۔ اس نے بجائے آٹھ کے دس مہینے تک کی مہلت دیتے ہوئے کہا کہ دس آدمیوں کی ضمانت پیش کرو۔ ضمانت لینے والوں نے ضمانت دے دی۔ مقررہ مدت تک رقم جب وصول نہ ہوئی' تو ضمانت دینے والوں کو طلب کرکے' اس گورنر نے حکم دیا کہ خالی تھیلیاں خزانے سے لائی جائیں' اور ان ضمانت دینے والوں میں سے ایک ایک کو منڈی کاٹ کاٹ کر تھیلی بھری جائے۔ حکم کے مطابق ابھی دو ایک منڈیوں تک نوبت پہنچی تھی۔ تھیلیاں جو بھری گئیں' اور منہ ان کا بند کر دیا گیا تھا' مہر لگائی گئی' اور پشت پر گورنر نے لکھا: "فلاں ابن فلاں کے ذمہ جتنی رقم واجب الادا تھی وہ وصول ہو گئی۔" لوگوں میں ہلچل مچ گئی اور چند گھنٹوں میں سالہا سال کا بقایا وصول ہو گیا۔

حجاج تک وصولی کرنے کے اس طریقہ کی خبر جب پہنچی تو اپنے انتخاب کی داد خود دے رہا تھا۔ لکھا ہے کہ جب تک حجاج زندہ رہا' اصفہان پر اس کا یہی بدوی گورنر مسلط رہا۔ حالانکہ بداوت میں حال اس کا یہ تھا کہ چار درہم دے کر حجاج نے حکم دیا کہ تین آدمیوں پر اس کو تقسیم کر دو۔ تین درہم تک تو حساب صاف تھا لیکن چوتھے درہم کو کیا کرے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ (المسعودی' ص ۱۰۴)

اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ "ضمیر" کو دینی حدود سے آزاد کر دینے کے بعد بآسانی دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ حجاج کی زندگی اس مغالطہ کی ایک عبرتناک تاریخی مثال ہے۔ وہ دین کا نہیں بلکہ آئین کا پابند بن کر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ آئین کے بنانے والے خود انسانی عقول اور دماغ ہوتے ہیں۔ اپنی خواہش کے مطابق عقل اور دماغ سے مشورہ حاصل کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ دین کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا سرچشمہ عقل ودماغ نہیں بلکہ عقل و دماغ کے خالق حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ پاک ہوتی ہے۔ اس لیے شعوری اور غیر شعوری خواہشوں کی آلودگیوں سے دین کے دفعات پاک ہوتے ہیں۔

حجاج نے حکومت کی بہی خواہی اور وفاداری کے سلسلہ میں یہ واقعہ ہے کہ وہ سب کیا جو وہ کر سکتا تھا۔ دین کے ساتھ' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ' اسی نصب العین پر اپنی دنیا بھی اس نے قربان کر دی تھی۔ ابنِ عساکر نے لکھا ہے: "حجاج جب مرا تو اس نے نہ چھوڑا مگر صرف تین سو درہم (نقد کی شکل میں)۔ ان کے سوا ایک قرآن' ایک تلوار' ایک زین' ایک کجاوہ اور سو عدد زرہیں جو جنگ کے لیے وقف تھیں۔" (ج ۴' ص ۸۱)

اس کا خیال تھا' اور کلیتہً" بے بنیاد خیال نہ تھا کہ' اسلام کی وجہ سے دولت و ثروت کا جو

طوفان عربوں میں امنڈ پڑا تھا اس نے عربی قبائل اور ان کے منچلے شیوخ کے قلوب میں طرح طرح کی امنگیں پیدا کر دی تھیں۔ ابتدا تو ان کی عہد نبوت ہی میں ہو چکی تھی۔ ملک کے مختلف حصوں میں تنبی (زبردستی جھوٹی نبوت) کے دعوے کرنے والے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے بعد حکومت کے باغیوں کا ایک طویل الذیل سلسلہ تھا جو کسی طرح رکتا ہی نہ تھا۔ اسلامی تاریخوں میں حکومت کے ان ہی باغیوں کو الخوارج کہتے تھے۔ دس لاکھ مربع میل بادیہ عرب کے مختلف حصوں میں طرح طرح کے لوگ تھے۔ ان کی نظراسلامی فتوحات پر جب پڑی ' اور یہ محسوس ہوا کہ بظاہر عربی فوجوں کے یہ کارنامے ہیں' تو طرح طرح کے خیالات ان میں پیدا ہونے لگے: "آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی"۔

قسمت آزمائی کے میدان میں لوگ اترنے لگے۔ ان میں عجیب و غریب صلاحیتوں کے لوگ تھے۔ علاقہ نجد کے ایک خارجی ڈاکو حجدر کے متعلق لکھا ہے کہ گرفتار ہو کر حجاج کے پاس وہ لایا گیا۔ اس کی صلاحیتوں کو دیکھ کر حجاج مبہوت سا رہ گیا۔ ایک بھوکے شیر سے حجاج نے مقابلہ کا حکم دیا۔ ابن عساکر کی روایت ہے کہ حجدر ڈاکو کا سیدھا ہاتھ بیڑیوں سے جکڑا ہوا تھا' صرف بایاں ہاتھ کھلا ہوا تھا' تلوار اسی ہاتھ میں تھی۔ شیر چھوڑا گیا۔ حجاج جھروکے سے دیکھ رہا تھا۔ شیر حجدر پر جھپٹا۔ اس نے تلوار پر اس کو روکتے ہوئے ایسی ضرب لگائی کہ "شیر چکرا کر اس طریقہ سے گر پڑا' جیسے آندھی نے کسی خیمہ کو اکھاڑ کر زمین پر گرا دیا ہو"۔ (ص ۶۴)

جس کے بائیں ہاتھ میں اتنی قوت تھی اور جیوٹ کا حال جس کے یہ تھا کہ ایسی حالت میں بھی غضبناک بھوکے شیر سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا' اندازہ کیجیے کہ امکانات کے کیسے کیسے طلسمی ایوان اس کے دل و دماغ میں تیار ہوتے ہوں گے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ حجدر جیسے خارجی اور باغی کتنے تھے۔ حجاج بیخ و بنیاد سے ان عناصر کو ختم کر دینے کا تہیہ کر چکا تھا۔ کہتے ہیں کہ کوفہ اور بصرہ کے قرا (یعنی علما) کی اکثریت' ابن اشعث کو لیڈر بنا کر حجاج کے مقابلہ میں جب کھڑی ہوئی ' تو خواجہ حسن بصریؒ فرماتے تھے:

> حجاج ایک قدرتی سزا ہے جسے خدا نے تم لوگوں پر مسلط کیا ہے' تم تلوار سے اللہ کی اس سزا کا مقابلہ مت کرو۔ (ابن عساکر' ج ۴' ص ۴۶)

خود بھی وہ یہی کہتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے ایسے روائتیں نقل کیا کرتے تھے جن سے معلوم ہوتا ہے' کہ کوفہ کے باشندوں کی سرکشیوں سے تنگ آ کر حضرت علیؓ نے بددعا کی تھی:

اے اللہ ان پر ثقیف قبیلہ کے لونڈے (یعنی حجاج) کو مسلط فرما' جو ان کے خون اور ان کے مال کے متعلق جاہلیت کے فیصلے کرے گا۔ (ابنِ عساکر' ج ۴' ص ۷۲)

مطلب خواجہ حسن بصریؒ کا یہی تھا کہ بجائے باہر کے' چاہیے کہ ایسے مواقع میں مسلمان اپنے اندر کو ٹٹولیں۔ باہر کی آگ کو دیکھیں کہ خود ان ہی کے اندر سے تو کہیں بھڑک نہیں اٹھی ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو بات اپنے بس کی ہوتی ہے عموماً اس سے لاپرواہی اختیار کی جاتی ہے اور بظاہر جس کا مقابلہ ناممکن نظر آتا ہے اسی سے مقابلہ کرنے کے لیے لوگ تیار ہو جاتے ہیں۔ ممکنات سے اعراض کرتے ہیں' اور ناممکنات کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔ جسے کر سکتے ہیں وہی نہیں کرتے' اور جو نہیں ہو سکتا اسی کے کرنے کی تجویزوں میں اپنا وقت بھی ضائع کرتے ہیں' مال بھی برباد کرتے ہیں' آبرو بھی لٹاتے ہیں اور اپنے خون کو بھی رائیگاں کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ کی تلقین عرب کے گرم خون رکھنے والے نوجوانوں کو پسند نہ آئی۔ "اس گنوار پردیسی کی بات کیا ہم مان لیں ؟" کہتے ہوئے لوگ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی خواجہ حسن بصریؒ باوجود غیر عربی النسل مسلمان ہونے کے' بصرہ کے سب سے بڑے عالم' سب سے بڑے متقی' پرہیزگار' اور سب سے بہتر تقریر کرنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ مگر ان پر بزدلی کا الزام لگایا گیا۔ جو کچھ ہو سکتا تھا وہ تو نہ کیا گیا اور جو نہیں ہو سکتا تھا اسی کو کرنے کے لیے میدان میں اتر گئے۔ مروانیوں کی بے پناہ فوجی طاقت سے نہتے مسلمانوں کو ٹکرا دیا گیا۔ اس کا جو انجام ہو سکتا تھا وہی ہوا۔ خواجہ حسن بصریؒ ایک طرف عام مسلمانوں کو یہ سمجھاتے تھکے چلے جاتے تھے کہ تلوار سے یہ مصیبت نہیں ٹلے گی جو تم پر ٹوٹ پڑی ہے بلکہ "اس مصیبت کا مقابلہ چاہیے کہ دعا اور خدا کے حضور نالہ و زاری سے کرو" (ابنِ عساکر' ج ۴' ص ۷۷)۔ دوسری طرف حجاج کو بھی' جب موقع ملتا' یہ نصیحت فرماتے "دیکھنا اللہ کے نیک بندوں سے بچتے رہنا۔" (الیافعی' ج ۱' ص ۱۹۷)

لیکن اس پر تو خون سوار تھا۔ وہ اعلان کیے ہوئے تھا کہ غیر مجرم لوگوں کو مجرموں کے بدلہ میں پکڑوں گا اور وہ لوگوں کو پکڑ رہا تھا' بے دھڑک قتل کر رہا تھا۔ حکومت کے ساتھ جس کی وفاداری میں ہلکا سا شبہ کسی وجہ سے پیدا ہوتا' اس پر علانیہ غداری کا الزام لگا دیا جاتا تھا۔ لوگ مارے جا رہے تھے' قیدخانوں میں سڑ رہے تھے' ان کے گھر گرا دیے جاتے تھے' ان کے بچے یتیم' عورتیں بیوہ ہو رہی تھیں۔ لیکن حکومت کی طاقت کو سب کچھ یقین کرتے ہوئے' حجاج بغیر کسی دغدغہ کے سب کچھ کر رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ جیل خانے جو حجاج نے بنائے تھے کسی میں چھت نہ

تھی، کھلے میدانوں میں چاردیواریوں کے اندر گرمی، سردی، رات دن لوگ گزارنے پر مجبور کیے جاتے تھے۔ جو مر جاتے، کتوں کی طرح ان کی لاش پھنکوا دی جاتی تھی۔

یہ سب اس لیے کیا جا رہا تھا کہ اپنی حکومت کی بے پناہ طاقت پر بھی اس کو بھروسہ تھا اور اس کے ساتھ باور کیے ہوئے تھا کہ مروانیوں کی حکومت کے استحکام واستواری کی سیاسی تدبیر بھی یہی ہے۔ بظاہر حجاج کے زمانہ میں حکومت کی قوت میں اضافہ جس طرح سے ہو رہا تھا اس کو دیکھتے ہوئے ہر دیکھنے والا شاید یہی باور کیے ہوئے تھا جو حجاج کا خیال تھا۔ لیکن اچانک واقعات کا رخ بدلنے لگا۔ حجاج نے خواب میں دیکھا کہ اس کی پیشانی سے دونوں آنکھیں اکھڑ کر باہر نکل آئی ہیں۔ بیدار ہونے کے بعد اپنے اس خواب سے کافی متاثر تھا۔ چند ہی دنوں کے بعد اس کے سامنے اس کے بیٹے نے دم توڑ دیا۔ ابھی اس کا جنازہ شاید اٹھا بھی نہ تھا کہ یمن سے قاصد پہنچا۔ خبر لایا کہ حجاج کا بھائی، محمد بن یوسف جو یمن کا گورنر تھا، مر گیا۔ ان جاں گذار دو حادثوں کی خبر سے متاثر ہی تھا کہ دربار میں اتفاقاً کہیں سے ایک نجومی پہنچا۔ حجاج نے پوچھا کہ اس سال کسی والئی ملک کے مرنے کی خبر بھی تیرے زائچہ سے ملتی ہے۔ نجومی نے کہا، ہاں ملتی تو ہے، لیکن میرے حساب سے اس مرنے والے کا نام "کلیب" (کتیا) ہے۔ حجاج چیخ اٹھا: "اسی نام (یعنی کلیب یا میری کتیا کے نام) سے میری ماں مجھے پکارتی تھی۔" (الیافعی، ص ۱۹۴)

اب دنیا حجاج پر اندھیر تھی۔ اسی عرصہ میں حضرت سعید بن جبیرؓ رئیس الصالحین کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بڑے بڑے لوگ حجاج کے جور وظلم سے تنگ آکر روپوش ہو چکے تھے۔ خود خواجہ حسن بصریؒ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔ کہتے ہیں کہ سعید بن جبیرؓ کو قتل کرنے کے بعد حجاج پر ایک قسم کے جنون کا دورہ پڑنے لگا۔ نیند میں بھی چیخ اٹھتا: "سعید سعید! تم میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟" اور بیداری میں بھی کبھی چلا اٹھتا: "دیکھو دیکھو! سعید مجھے قتل کرنے کے لیے میری طرف چلا آ رہا ہے"۔ سر میں جنون کے ساتھ ساتھ پیٹ میں درد کی سی کیفیت پیدا ہوئی اور وہی حجاج جس کے متعلق دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ کھاتے ہوئے ہم نے دیکھا تھا کہ "کفِ دست میں بھر بھر کر روٹی میں مکھن کو لپیٹتا اور ایک لقمہ اس کا بنا لیتا۔" راوی کا بیان ہے کہ ۸۴ لقمے میں نے گنے۔ (ابن عساکر، ج ۴، ص ۷۲)

اللہ اللہ جو مکھن اور روٹی کے لقموں کو بغیر کسی دغدغہ کے یوں ہی ہڑپ کر جاتا تھا، اچانک اسی حجاج کو پایا گیا کہ پیٹ کے درد سے تڑپ رہا ہے، حلق کے پار کوئی چیز اتار نہیں سکتا۔ طبیب نے گوشت کے ایک ٹکڑے میں دھاگا باندھا، اور بولا: "اے امیر! اللہ آپ کو شفا بخشے، ذرا اس

لقمہ کو کسی طرح فرو کرنے کی کوشش کیجیے"۔ بہ مشکل لقمہ فرو ہوا۔ طبیب نے دھاگہ کو پکڑ کر کھینچا، گوشت کا ٹکڑا باہر نکل آیا۔ مگر کس حال کے ساتھ باہر نکلا کہ "بہت سے کیڑے گوشت کے اسی ٹکڑے میں لپٹے ہوئے تھے"۔ (الیافعی، ج۱، ص۱۹۵)

طبیب نے عرض کیا: معدے میں سرطان کا پھوڑا ہے جس میں کیڑے پڑ چکے ہیں، درد اور بے چینی اسی کی وجہ سے ہے۔ علاج ہو رہا تھا، لیکن بجائے فائدہ کے ایک نیا قصہ شروع ہوا۔ زخم کی وجہ سے، یا خدا ہی جانتا ہے کیا اسباب تھے، اچانک زمہریرہ (سخت سردی) کا احساس حجاج میں شدت پذیر ہونے لگا۔ پہلے تو کمبل اڑھا اڑھا کر لوگوں نے اندر سے ابھرنے والی سردی کو دبانا چاہا، لیکن وہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ آخری حال یہ تھا کہ "انگیٹھیاں دہکتے ہوئے انگاروں سے بھری ہوئی چاروں طرف سے حجاج کے لگائی جاتیں مگر کچھ اثر نہ ہوتا، لوگ بدن سے انگیٹھیوں کو اتنا قریب کر دیتے کہ کھال حجاج کی جل اٹھتی، مگر اس کو خبر بھی نہ ہوتی"۔ (الیافعی، ج ۲، ص ۱۹۵)

حالانکہ اسی حجاج کو اسی کوفہ میں دیکھا گیا کہ موسم گرما میں تازہ تازہ بید کی سرسبز شاخوں سے قبہ بنواتا تھا، اور بید کی ان شاخوں کے ساتھ کوئی ایسی تدبیر کی جاتی تھی کہ پھاڑ پھاڑ کر بیچ میں برف کا چورا ان میں بھرا جاتا تھا۔ حجاج اسی قبہ میں آرام کیا کرتا تھا، اور گرمیوں میں سردیوں کا لطف اٹھایا کرتا تھا۔ (ابنِ عساکر، ج۴، ص۷۶)

مگر آج اس کے اندر کی سردی کو گرمی سے بدلنے کی ہر کوشش ناکام ہو رہی تھی۔

کہتے ہیں کہ بری سے بری بات کو اچھی سے اچھی تعبیروں میں پیش کرنے کی مہارت میں حجاج اپنی آپ نظیر تھا۔ اہم معاملات کو اپنی منہ زوری سے غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بنا دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ موت کی پرچھائیاں شروع شروع میں جب اسے محسوس ہوئیں تو کہتا تھا: "اوہ، نہ مرنا اگر کوئی اچھی بات ہوتی تو شیطان کو خدا کبھی اتنی دراز زندگی عطا نہ کرتا۔" (ابنِ عساکر، ص ۸۲)

یعنی ابلیس کی دعا، اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (مہلت دیجیے اس دن تک جب لوگ اٹھائے جائیں)، قبول نہ ہوتی۔ مگر شکمی سرطان، اور زمہریرہ نے ہوش و حواس اس کے بگاڑ دیے۔ اب نہ اسے حکومت ہی یاد آتی تھی اور نہ حکومت کا وہ حکمراں جس کی اطاعت و فرمانبرداری کو سب کچھ ٹھہرائے ہوئے تھا۔ عبدالملک، جس نے اس کو آگے بڑھایا تھا، تو مر چکا تھا۔ ولید بن عبدالملک کا عہد تھا۔ وصیت نامہ میں اسی لیے ولید کا نام اس نے درج کیا تھا۔ لیکن اب ولید اور اس کی حکمرانی سب خواب و خیال ہو چکی تھی۔

صرف ایک آدمی کو ڈھونڈ رہا تھا' جو اس کے خوف سے روپوش تھے' یعنی خواجہ حسن بصریؒ۔ تلاش کرنے والوں نے آخر حضرت والا کا پتہ چلا لیا۔ عرض کیا گیا کہ حجاج بڑی بیکسی کے ساتھ آپ کو ڈھونڈ رہا ہے۔ آپ باہر نکل آئے۔ جہاں پڑا کراہ رہا تھا' پہنچے۔ دیکھنے کے ساتھ رونے لگا اور گڑگڑا کر کہہ رہا تھا: "حسن! لِلّٰہ میری مشکل آسان ہو' اس کی دعا کر دو۔ دیکھ رہے ہو میں کس حال میں مبتلا ہوں۔" خواجہؒ نے فرمایا: "دیکھ' اللہ کے نیک بندوں کو نہ چھیڑنا' ہمیشہ اس کی تاکید تجھے میں کرتا رہا' لیکن تو نے نہ مانا۔" پھر فرمایا کہ تیرے لیے دعا کروں گا۔ بلبلا کر حجاج نے کہا: "حسن! شفا کی نہیں' اب شفا کی بھلا کیا امید ہے۔ تم دعا کرو کہ موت میری تکلیف کا جلد خاتمہ کر دے"۔

آئینی بنا لینے کے بعد ہر فعل قانوناً جائز ہو جاتا ہے۔ ضمیر کو اس مغالطہ سے دھوکہ دینے والے پر اب واضح ہوا کہ یہ صرف مغالطہ تھا۔ جب دم نکل رہا تھا' تو لوگوں کا بیان ہے' زبان پر اس کی یہ الفاظ تھے:

اللهم اغفرلی فان الناس یقولون انک لا تفعل۔

یعنی اللہ میرے گناہوں کو بخش دے' لوگ کہتے ہیں کہ تو ایسا نہیں کرے گا۔

اس کی طرف دو شعر بھی منسوب کیے گئے ہیں' جو سکرات کے وقت اس کی زبان پر جاری تھے۔ ترجمہ جن کا یہی ہے: "لوگوں کا فیصلہ ہے کہ میں جہنمی ہوں مگر وہ فیصلہ بے دیکھے کر رہے ہیں' ان کو کیا معلوم کہ بہت بڑے درگزر کرنے والے آمرزگار کے دربار میں حاضر ہو رہا ہوں"۔

اس کی سوانح عمریوں میں تو نہیں لیکن دوسری کتابوں میں نظر سے یہ بھی گزرا ہے' کہ حجاج کی ماں اس کے مرنے کے وقت رو رہی تھی' اور کہتی تھی' ہائے بچے تو نے زندگی بھر یہ کیا کیا۔ کہتے ہیں کہ حجاج نے آنکھیں کھول دیں' اور بولا' ماں' میرا فیصلہ قیامت کے دن اگر تیرے ہاتھ میں دے دیا جائے' تو سب کچھ جاننے کے باوجود میرے ساتھ تو کیا سلوک کرے گی۔ ماں نے کہا' بیٹا' اگر ایسا ہوا تو جہنم میں بھلا اپنے لختِ جگر کو میں جانے دوں گی۔ حجاج نے' خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں تک یہ روایت صحیح ہے' ماں سے یہ سن کر کہا تھا کہ "تو ماں' تو مطمئن رہ' جس کے ہاتھ میں میرا فیصلہ ہے' وہ تجھ سے کہیں زیادہ اپنے بندوں پر مہربان اور ترس کھانے والا ارحم الراحمین ہے"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا امام جعفر صادقؒ کے سامنے حجاج کے اس آخری فقرے کو کسی نے نقل کیا۔ اپنی جگہ سے آپ اچھل پڑے' اور فرمایا کہ رجاء (امید) کے اسی حال میں اگر وہ مرا ہے

تو کون کہہ سکتا ہے کہ نامراد مرا۔ (او کمال قال)

بہرحال شکمی سرطان اور زمہریرہ کی اس بیماری میں حجاج کا کام تمام ہو گیا اور جس حکومت کی بنیادوں کو استوار کرنے کے لیے لاکھوں لاکھ انسانوں کے خون کو بے دردی کے ساتھ اس نے بہایا تھا' اپنی ساری قوتوں اور لامحدود وسائل کے باوجود حجاج کی موت کے بعد سال کا ایک چلہ بھی وہی حکومت پورا نہ کر سکی۔ یعنی ۳۷ سال کے اندر اندر مروانیوں کا سارا جاہ و جلال خاک و خون میں مل گیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ دمشق کے پایۂ تخت میں

> مروانی حکومت کے نوے شہزادوں کو ایک ساتھ گرز اور لاٹھیوں سے مار مار کر زمین پر لٹا دیا گیا تھا اور ان ہی کی نیم مردہ لاشوں پر چرمی دسترخوان بچھا کر عباسی خاندان کے لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ دسترخوان کے نیچے سے آہ و نالہ کی آوازیں آ رہی تھیں' کھانا جب ختم ہوا تو ان کی جانیں بھی ختم ہو گئیں۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دمشق پایۂ تخت ہی تک قصہ محدود نہ تھا بلکہ ملک کے طول و عرض میں جہاں کہیں بنی امیہ اور بنی مروان کے کسی فرد کا بھی پتہ چلتا تھا' حکم تھا کہ ختم کر دیے جائیں۔ یہی کیا گیا' حتیٰ کہ "بجز شیرخوار بچے کے ان میں کوئی باقی نہ رہا اور یہ کہ اندلس کی طرف جو بھاگ گئے۔" (کامل ابنِ اثیر' ص ۱۶۱)

بصرہ میں دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ

> کمخواب کے پائجاموں اور زربفت' زروتار' زردوزی کے لباس میں بنی امیہ کے خاندان کے شہزادے مرے ہوئے گھوڑوں پر پڑے ہوئے ہیں اور کتے ان کی لاشوں کو چیرپھاڑ کر کھا رہے ہیں۔

اور زندے تو زندے' حد تو یہ ہے کہ حجاج بے چارا جس حکومت کا دامن قیامت کے دن سے باندھنے کے لیے ہرکردنی اور ناکردنی کا مرتکب ہوا تھا' اسی حکومت کے حکمرانوں کی مردہ لاشیں قبروں سے اکھاڑی گئیں۔ ان میں ہشام بن عبدالملک تھا' جس کی لاش واللہ اعلم سڑنے سے کسی وجہ سے محفوظ رہ گئی تھی۔ اس جرم کی سزا میں کہ اس نے امام زین العابدین کے صاحبزادے زید بن علی کو بلاوجہ سولی کی سزا دے کر ان کی ننگی لاش کو سال بھر تک بطور تشہیر کے لٹکا رکھا تھا اور آخر میں جلا کر' ہشام نے حکم دیا تھا کہ' ان کی خاک ہوا میں اڑا دی جائے --- بجنسہٖ یہ ساری کارروائیاں ہشام کی اس لاش کے ساتھ بھی کی گئیں' جو شاید اسی لیے محفوظ رہ گئی تھی۔

۲- ابراہیم تیمیؒ

یہاں سوچنے کی بات نہ حجاج کی موت ہے اور نہ لرزہ براندام کرنے والی اس کی بیماری۔ بجائے خود ان کی حیثیت بھی کچھ ہو' لیکن بُروں کے ساتھ اچھوں کو بھی مرنا ہی پڑتا ہے۔ امراض کے شکار سب ہی ہوتے ہیں' نیک ہوں یا بد۔ اور کیسے کیسے امراض' کیسی کیسی بیماریاں' کتابوں میں پڑھیے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی تھے' جن سے' بالاتفاق لوگوں نے لکھا ہے' ملائکہ مصافحہ کرتے اور سلام کیا کرتے تھے۔ نام ان کا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تھا۔ بصرہ کے دینی علوم کے بڑے اہم سرچشموں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہاں کے قاضی بھی تھے۔ لیکن مہینہ دو مہینے نہیں' ابن جوزی نے لکھا ہے: "شکمی استسقاء کے مرض میں مبتلا تھے۔ اسی لیے تیس سال تک ایسے کھاٹ پر رہے جو بیچ سے کاٹ دیا گیا تھا"۔ (ص ۲۸۳)

الذہبی نے لکھا ہے کہ ان کو بواسیر کا مرض بھی تھا (تذکرۃ الحفاظ)۔ غالباً خونی بواسیر تھی' خون بہتا رہتا تھا۔ ان کے حال کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ ان کے خاص شاگرد مطرف نے ان سے کہا: "آپ جس حال میں رہتے ہیں' مجھ سے دیکھا نہیں جاتا' اسی لیے عیادت و مزاج پرسی کی ہمت بہت کم ہوتی ہے۔" مگر باوجود ان تمام باتوں کے ان ہی مطرف (اپنے شاگرد سے) خود حضرت عمرانؓ فرماتے تھے: میاں' ایسا نہ کیا کرو' میرا یہ حال خود مجھے بھی محبوب ہے' اور میرے مالک کو بھی پسند ہے۔ (صفوۃ الصفوۃ' ج ا' ص ۲۸۳)

صحابہؓ کے دیکھنے والوں میں ایک بڑے نامی بزرگ ابوقلابہ نامی گزرے ہیں۔ علمِ حدیث کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں۔ حکومت قاضی بننے پر اصرار کرتی رہی' لیکن اس عہدے کو قبول کرنے سے عمر بھر ہی گریز کرتے رہے۔ غیر معمولی فضائل و کمالات سے معمور تھے۔ آخر عمر میں بیمار پڑے۔ اس کا تو علم نہ ہو سکا کہ مرض کیا تھا' لیکن الذہبی کا بیان ہے "عرش (علاقہ مصر) میں آپ کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی' آپ کے دونوں ہاتھ' دونوں پاؤں غائب ہو چکے تھے اور بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ مگر اس حال میں بھی خدا کے شکر گزار تھے۔" (ص ۸۹)

ابن سعد وغیرہ میں لکھا ہے کہ ابوقلابہ کی مزاج پرسی کو عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابوالعالیہ جیسے اکابر آتے۔ ان کو اس حال میں دیکھتے تو کہتے: "ابوقلابہ' جیوٹ اور پامردی سے کام لو۔ اربابِ نفاق کو (اخلاص والوں) پر ہنسنے کا موقع نہ دینا"۔ (ج ۵' ص ۱۵۳)

اسی کی طرف الذہبی نے اشارہ کیا ہے کہ ہاتھوں' ٹانگوں' آنکھوں سب ہی کو کھو دینے کے

بعد بھی وہ اپنے مالک مولی تعالیٰ جل مجدہ کا شکریہ ہی ادا کرتے رہے' اور اس کی حمد کا گیت ہی گاتے رہے' رحمہم اللہ۔

اور سچ تو یہ ہے کہ موت سے چارہ جب کسی کے لیے نہیں ہے' ہر سانس لینے والی زندہ جان موت کا مزہ بہرحال چکھ کر رہتی ہے' تو موت کے مقدمات امراض میں نیکوں اور بدوں میں امتیاز کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے۔ نتائج کے لحاظ سے اختلافات کے حدود تو مرنے کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ اسی لیے حجاج کے حالات میں سب سے زیادہ توجہ کا مستحق یہ پہلو ہے کہ اپنے سیاسی ماحول کی سازگاریوں کو دیکھ کر آئندہ اور مستقبل کے متعلق دھوکہ میں مبتلا ہوگیا۔ ذہن اور زبان کے زور سے ہر غیر آئینی فعل پر آئین کا خول چڑھا دیتا تھا اور درحقیقت پس پردہ فوجی قوت پر اس کو بھروسہ تھا جس کی منطق کا جواب غریب نہتے عوام کے پاس نہیں ہوتا۔ تاریخ کا یہ سبق ہے کہ اس قسم کی بے باکیوں کا انتقام قدرت کی طرف سے عموماً غیر معمولی مہیب شکلوں میں لوگوں کے سامنے آیا ہے۔ اپنی فوجی قوت کے بل بوتے پر اس وقت تو وہ منہ زوریوں سے کام لیتے ہیں' ڈھیٹ بن کر جو جی میں آتا ہے کر گزرتے ہیں' لیکن بہت جلد اس کا خمیازہ بھی ان کو اسی طرح بھگتنا پڑا' جیسے مروانی حکومت کے حکمرانوں اور کارندوں کو بھگتنا پڑا۔ حجاج اس لحاظ سے اس کا مستحق ہے کہ قومیں اس کا مطالعہ کریں' اور سیاسی طاقت کے استعمال میں جن غیر معمولی محتاط و نازک ذمہ داریوں کی ضرورت ہے' اس کا سبق سیکھیں۔

کچھ بھی ہو حجاج اور حجاج کی ظالمانہ چیرہ دستیاں تو اتنی مشہور ہیں کہ تفصیلاً نہ سہی اجمالاً اس کے طرزِ عمل کی خصوصیتوں سے مسلمانوں کا پڑھا لکھا طبقہ عموماً واقف ہے۔ دنیا کی ایک حکومت کے ساتھ اس کی حد سے گزری ہوئی وفا شعاری کے مقابلہ میں ہم حضرت عمران بن حصین صحابیؓ اور ابوقلابہ تابعیؒ جیسے بزرگوں کے حالات سے بھی عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ آدمی چاہے تو خدا کا بھی ایسا وفادار بندہ بن سکتا ہے کہ تیس تیس سال کٹے ہوئے کھاٹ پر گزر گئے' دونوں ہاتھ' دونوں پاؤں' دونوں آنکھیں غائب' لیکن ہر حال میں شاکر ہیں' اسی کو اپنا محبوب حال یقین کرتے ہیں۔ اسی کے مقابلہ میں حجاج تھا کہ خدا کے چند بندوں یعنی مروانی حکومت کے حکمرانوں (عبدالملک اور ولید) کی وفاداری میں اپنا سب کچھ تج دیا۔ اپنی زندگی' اپنی موت' حد یہ ہے کہ آخرت تک کو ان ہی کے قدموں پر نچھاور کرتے ہوئے مطمئن تھا کہ یہی کرنے کا کام تھا۔

لیکن درحقیقت جن صاحب کی عجیب و غریب موت کا ذکر میرے پیشِ نظر ہے وہ حجاج ہی کے عہد کے ایک گمنام غیر مشہور آدمی کی موت ہے۔ ان کا نام ابراہیم تھا۔ اپنے قبیلہ کی طرف

منسوب ہو کر ابراہیم تیمیؒ کے نام سے لوگ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کی موت میں وفاداری ہی کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے آئے گا۔

صورت یہ پیش آئی کہ کوفہ جس کے دارالامارہ میں بیٹھ کر حجاج اپنی من مانی کارروائیوں میں مشغول تھا' یہیں ایک اور بزرگ ابراہیم نامی تھے۔ یہ ہماری علمی اور فقہی تاریخ میں ابراہیم نخعیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ فقہ حنفی کا اساسی نقشہ دراصل ابراہیم نخعیؒ ہی کی اجتہادی کوششوں سے تیار ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ نے' جو بیک واسطہ ان کے شاگرد ہیں' اپنے زمانہ میں باضابطہ ایک آزاد مجلسِ وضعِ قوانین قائم کر کے ابراہیم نخعیؒ کے قائم کیے ہوئے نقشہ کو مکمل کیا اور آب و رنگ اس میں بھرا۔ اس لیے حنفی مسلمانوں کی دینی زندگی جن فقہی مسائل کے زیرِاثر گزر رہی ہے ان کو "حنفی فقہ" کے نام سے لوگوں نے موسوم کر رکھا ہے۔ ورنہ صحیح معنوں میں اس کا نام چاہیے تھا' "ابراہیمی حنیفی" فقہ رکھا جاتا۔

امام شعبیؒ کے یہ الفاظ جو ابراہیم نخعیؒ کی وفات کے بعد ان کی زبان سے نکلے تھے: "خدا کی قسم! ابراہیم نے اپنا جیسا آدمی اپنے بعد کہیں نہیں چھوڑا' نہ کوفہ میں' نہ بصرہ میں' نہ شام میں' نہ یہاں' نہ وہاں' نہ حجاز میں"۔ (طبقات ابن سعد' ج ۵' ص ۱۹۸)

امام شعبیؒ کی جلالتِ قدر سے واقفیت کے بغیر ان الفاظ کی قدروقیمت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ابراہیم نخعیؒ کے تفصیلی حالات کا مطالعہ تو تفصیلی کتابوں میں کرنا چاہیے۔ اس وقت میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ حجاج کی وجہ سے رست وخیز کا جو عالم کوفہ میں برپا تھا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم سیاسی معاملات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے' تعلیم وتدریس کے ساتھ زہدوریاضت کی زندگی گزارتے تھے' اب واللہ اعلم کیا صورت پیش آئی کہ حجاج کی نگاہوں پر وہ بے چارے بھی چڑھ گئے۔ شاید اس قسم کے فقرے جو کتابوں میں ابراہیم نخعیؒ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں مثلاً جبابرہ (ذکٹیٹر بن کر حکومت کرنے والوں) پر کبھی کبھی نعنت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ فقرہ بھی ان کی زبان پر جاری ہو گیا: "اندھے ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ حجاج کے معاملہ میں کوئی اندھا بنی سے کام لے"۔ (طبقات' ج ۵' ص ۱۹۵)

حجاج کے جاسوسوں نے شاید ان ہی باتوں کو حجاج تک پہنچا دیا۔ بھلا وہ ان باتوں کو کہاں برداشت کر سکتا تھا۔ ابراہیم نخعیؒ کے نام سے وارنٹ جاری ہو گیا۔ کسی طرح وارنٹ کی تعمیل ہونے سے پہلے ان کو خبر ہو گئی۔ بے چارے اپنے بعض مخلصوں کے مکان میں روپوش ہو گئے۔ طبقات میں ہے کہ "جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بھی روپوشی کے اس زمانہ میں ابراہیم کو محروم

ہونا پڑا۔" (ج ۵' ص ۱۵۳)

حکومت کے نمائندے ان کے سراغ میں لگے ہوئے تھے' اب یہیں سے سننے کی بات ہے۔ جس زمانہ میں یہ واقعہ میری نظر سے کتابوں میں گزرا' حیران ہو کر رہ گیا' سوچتا تھا کہ دین اور دینی علوم کی وفاداریوں میں لوگ کیا اس حد تک بھی جا سکتے ہیں؟

عرض کر چکا ہوں کہ اسی کوفہ میں ابراہیم نخعیؒ کے ایک ہم نام بزرگ ابراہیم تیمیؒ بھی رہتے تھے۔ غریب آدمی تھے۔ مہینوں گزر جاتے اور باضابطہ کھانا کھانے کا موقع نہ ملتا۔ جو کچھ بھی مل جاتا اسی سے سدِّ رمق کا کام لیتے۔ آخر میں کوفہ کی مسجدوں میں گھوم گھوم کر وعظ کہا کرتے تھے۔ ان کی عبادت اور زہد و ریاضت کے قصے کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں۔ یہاں جس چیز کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حجاج کے کارندے جو ابراہیم نخعیؒ کی تلاش میں تھے' ایک دفعہ ابراہیم تیمیؒ کے پاس پہنچے اور بولے' ابراہیم کو تم جانتے ہو' امیر یعنی حجاج کا حکم ہے کہ ان کو گرفتار کر کے حاضر کیا جائے۔ ابراہیم تیمیؒ کا بیان ہے کہ میں یہ جانتا تھا کہ ابراہیم نخعیؒ کے متعلق مجھ سے یہ پوچھ رہے ہیں' لیکن نخعی کے لفظ کا اضافہ انھوں نے نہیں کیا تھا اس لیے جواب میں میں نے کہا کہ **انا ابراھیم** (ابراہیم کو پوچھتے ہو تو وہ میں ہوں' یعنی میرا نام ابراہیم ہے۔)

پکڑنے والوں نے آپ کو پکڑ لیا اور گرفتار کر کے خونی حجاج کے دربار کی طرف لے چلے۔ حجاج کے سامنے پیش کر دیے گئے۔ جان رہے ہیں کہ صرف اتنی بات کہ "میں ابراہیم نخعی نہیں ہوں" ان کی برات کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن خاموش حجاج کے سامنے کھڑے رہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ واسط کے جیل خانہ دیماس نامی میں ان کو قید کر دیا جائے۔ واسط روانہ کر دیے گئے۔ بیان کیا گیا ہے' طبقات میں بھی ہے' کہ واسط کا یہ جیل خانہ اس طریقہ سے بنایا گیا تھا کہ نہ اس پر چھت ڈالی گئی تھی اور نہ ایسے حجرے اور مکانات بنائے گئے تھے جن میں قیدیوں کو کم از کم دھوپ' بارش' سردی سے پناہ ملتی بلکہ صرف چار دیواری تھی۔ اسی کے میدان میں لوگوں کو ڈال دیا جاتا تھا۔ خصوصیت اس قید خانے کی یہ بھی تھی کہ ایک قیدی کے ساتھ دوسرے قیدی کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا تھا۔

بے چارے ابراہیم تیمیؒ کے ساتھ یہ سب کچھ کیا گیا۔ کسی اجنبی قیدی کے ساتھ ان کو بھی باندھ دیا گیا' اور اسی حال میں وہ جیل کے اندر ڈال دیے گئے۔ ماں کو ان کی خبر ہوئی' بچے کی محبت میں بے چاری کوفہ سے کسی نہ کسی طرح جیل تک پہنچی۔ جیل والوں کی اجازت سے بیٹے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کی اجازت مل گئی' لیکن اس عرصہ میں ابراہیم تیمیؒ کی صورت اتنی بدل

چکی تھی کہ ماں بھی اپنے بیٹے کو پہچان نہ سکی۔ ماں کو دیکھ کر خود ہی ابراہیم نے ان کو مخاطب کیا' تب آواز سے انھوں نے اپنے بچے کو پہچانا۔ ناقابلِ برداشت' حد سے گزری ہوئی ان تکلیفوں کے بعد بھی ماں تک پر یہ راز انھوں نے ظاہر نہیں کیا کہ نام سے دھوکا کھا کر ابراہیم نخعیؒ کی جگہ اس جیل میں مجھے لوگوں نے ٹھونس دیا ہے۔ بس ماں اپنے بچے کو دیکھ رہی تھی' اور بچہ اپنی ماں کو۔ ابراہیم تیمیؒ کو چھوڑ کر ان کی والدہ ماجدہ روتی ہوئی واپس ہو گئیں۔

ان کی واپسی کے بعد کہتے ہیں کہ اپنے سینے میں اسی راز کو دبائے ہوئے ابراہیم تیمیؒ کا جیل خانے ہی میں انتقال ہو گیا۔ حجاج واسط ہی میں تھا۔ خواب میں دیکھا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے: "آج واسط میں ایک بہشتی آدمی مر گیا"۔ صبح کو معلوم ہوا کہ جیل میں ابراہیم نامی قیدی انتقال کر گیا۔ ہٹ دھرم حجاج جھنجلا کر بولا: "شیطانی خواب تھا جو رات میں نے دیکھا"۔

لکھا ہے کہ ابراہیم تیمیؒ بے چارے کو ابراہیم نخعیؒ باور کرتے ہوئے شترکینہ حجاج نے حکم دیا کہ واسط کے گھورے پر ابراہیم کی لاش پھینک دی جائے' رحمتہ اللہ علیہ۔ حجاج کی اس مذبوحی حرکت پر ابراہیم کی بہشتی روح ہنستی ہو گی۔ جو ابراہیم نہیں تھا ابراہیم کا خاکی لباس تھا' حجاج اسی کو گھورے پر ڈال کر خوش ہو رہا تھا۔ المسعودی نے مروج میں نقل کیا ہے کہ جس وقت ابراہیم تیمی واسط کے جیل خانے میں داخل ہوئے تو سامنے ایک ٹیلہ تھا۔ اس پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار رہے تھے: "جو آج اللہ کی آزمائش میں ہیں ان لوگوں کو خدا ہی کی طرف سے عاقبت و راحت کی خوشخبری ہو' اور آج اپنے آپ کو جو عافیت میں پا رہے ہیں خدا کی آزمائش کا ان کو انتظار کرنا چاہیے۔ لوگو' ذرا صبر سے کام لو' ذرا ٹھہر جاؤ۔" (بر کامل' ۶' ص ۱۰۵)

حجاج بھی چلا گیا' ابراہیم بھی چلے گئے۔ حجاج نے دنیا کی حکومت کے حکمرانوں کے ساتھ وفاداری کا ایک ریکارڈ قائم کیا۔ لیکن دیکھا گیا کہ حجاج اور جس حکومت کے لیے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا' ایک چلہ بھی سالوں کے حساب سے پورا نہ کر سکی' اور جو کچھ انجام اس کا ہوا اسے بھی دنیا دیکھ چکی۔ مگر ابراہیم تیمیؒ نے اپنے آپ کو گم کر کے ابراہیم نخعیؒ کو اور ان کے فقہی کارنامہ کو بچا لیا۔ شاید کہا جا سکتا ہے کہ کرۂ زمین کے کروڑ ہا کروڑ حنفی مسلمانوں کی دینی زندگی کے نظام کی بقاء میں دوسرے اسباب کے ساتھ ابراہیم تیمیؒ کی یہ حیرت انگیز تاریخی وفاداری بھی شریک ہے۔ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ۔

شاید دنیا کی قوموں میں ابراہیم تیمیؒ کی استقامت و تحمل و رازداری کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہو --- وَفِيْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

۷۷۰